جناب اسرار احمد آزاد

چین سے مسلمانوں کے تعلقات کی تاریخ

چین میں مسلمانوں کی تعداد کے متعلق مختلف ذرائع سے جو اعداد و شمار سامنے آتے رہتے ہیں ان میں بہت زیادہ اختلاف موجود ہے۔ بعض چینیوں نے خود اپنی تحریرات میں چین کے مسلمانوں کی تعداد کو کروڑوں تک بیان کیا ہے اور یورپی محققین بھی عموماً اس بیان کو صحیح تسلیم کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ ڈاکٹر ذکی علی نے انہیں کے حوالہ سے اپنی کتاب "اسلام ان دی ورلڈ" میں چین کے مسلمانوں کی تعداد کو ۵ کروڑ بتایا ہے لیکن چین کی عوامی حکومت کی جانب سے وہاں کے مسلمانوں کے حالات سے متعلق جو کتابچہ شائع ہوا ہے اس میں مسلمانوں کی تعداد صرف ایک کروڑ قرار دی گئی ہے۔

یہاں چونکہ چین کی مسلم آبادی کے اعداد و شمار کی تحقیقات مقصود نہیں بلکہ مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ مشرق کے اس عظیم اور تاریخی ملک میں مسلمان کب اور کس طرح پہونچے تھے اور اب تک وہ وہاں کس طرح زندگی بسر کرتے رہے ہیں اس لئے آبادی کے اعداد و شمار کے متعلق صرف اسی قدر کہدینا کافی ہوگا کہ جس زمانہ میں چین کے مسلمانوں کی آبادی کا مذکورہ بالا اندازہ لگایا گیا تھا اسوقت سے اب تک ایک طرف تو کئی مرتبہ چینی مسلمانوں کو قتل عام کا سامنا کرنا پڑا ہے اور چین کی پرانی سرحدوں میں کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئی ہیں پھر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس زمانہ میں نہ تو مردم شماری کو آج جیسی اہمیت ہی حاصل تھی اور نہ ایسے ذرائع اور وسائل ہی موجود تھے جن کی بدولت حاصل شدہ اعداد و شمار کو قطعی طور پر قابل اعتماد کہا جاسکے اس لئے آبادی کے اعداد و شمار کے موجودہ فرق کی صحت یا عدم صحت کی بحث میں پڑنے کی بجائے ہمیں صرف اس بات کو دیکھنا چاہیئے کہ چین میں مسلمان کب اور کس طرح پہونچے تھے ان کے حالات کیا رہے ہیں اور آج وہ کن حالات میں زندگی گذار رہے ہیں۔

رسول اللہؐ کا یہ ارشاد کہ "علم حاصل کرو خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ملے" ایک مقولہ بن گیا ہے اور اس کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عرب کے باشندے آج سے چودہ سو سال قبل بھی مشرق بعید کے اس عظیم ملک سے اچھی طرح واقف تھے اور اس حقیقت کے پیش نظر جب عرب اور چین کے تعلقات کی تحقیقات کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں ملکوں کے درمیان زمانہ قدیم ہی سے تجارتی تعلقات قائم تھے اور جب عرب میں اسلام کا ظہور ہوا تو انہیں تجارتی تعلقات کی بدولت مسلمان چین میں پہنچے۔

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی محققانہ تالیف "پریچنگ آف اسلام" میں جرمن محقق بریخ نانڈر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ چینی سلاطین کے خاندان ٹانگ کے دورِ حکومت (۶۱۸-۹۰۷ء) کے ابتدائی حصہ میں پہلی بار مسلمان، چین کے شہر کینٹن پہونچے تھے۔

یہ اجنبی خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت گاہوں میں مورتیاں نہیں ہوتی تھیں وہ شراب اور سور کا گوشت استعمال نہیں کرتے تھے اور جس جانور کو خود ذبح نہیں کرتے تھے اسے ناپاک سمجھتے تھے اور انہیں آج کل ہوئی ہوئی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔" اس کے بعد یہی مورخ لکھتا ہے کہ "اگرچہ کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چین میں اسلام عرب تاجروں کے ذریعہ سے پہونچا تھا۔"

بریخ نانڈر کے مذکورہ بالا بیان کو غلط سمجھنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی لیکن چین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کی جو قابل اعتماد یادداشتیں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چین اور مسلمانوں کے مابین اس سے بھی پہلے سفارتی تعلقات قائم تھے اور ایران کے آخری ساسانی فرمانروا ایزدگرد کی شکست کے بعد اس کے فرزند فیروز نے سلطان چین سے فوجی امداد دینے کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں اس نے چین اور ایران کے درمیان طویل فاصلہ کا عذر کر کے فوجی امداد دینے سے تو معذوری کا اظہار کیا تھا لیکن دربار خلافت میں ایرانی شہزادہ کی سفارش کے لئے ایک سفیر ضرور بھیجا تھا جو خلیفہ سوم حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا اور جب وہ واپس ہوا تھا تو حضرت عثمانؓ نے اس کے ساتھ ایک مسلم جنرل کو چین بھیجا تھا اور چین کے دربار میں اس کا استقبال کیا گیا تھا۔

ولید کے زمانہ حکومت میں (۷۰۵-۷۱۵ء) میں جب مشہور مسلمان سپہ سالار قتیبہ بن مسلم وسطی ایشیا کو فتح کرتے ہوئے چین کی سرحد تک پہنچ گئے تھے تو انہوں نے شہنشاہ چین کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا تھا اور شہنشاہ چین نے اسے بہت سے تحفے دے کر واپس کیا تھا اور چینی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ۷۲۶ء میں خلیفہ ہشام نے سلیمان کو اپنا سفیر بنا کر شہنشاہ چین سوان سونگ کے دربار میں بھیجا تھا اور ۷۵۶ء میں جب سوان سونگ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی تھی اور اسے اپنے لڑکے سوسونگ کے حق میں دست بردار ہو جانا پڑا تھا تو اس کی درخواست پر عباسی خلیفہ منصور نے اس کی امداد کے لئے عربوں کی ایک فوج بھیجی تھی اور اسی کی بدولت ہی سوانگ سونگ نے باغیوں کو شکست دی تھی مگر یہ عرب سپاہی اپنے واپس جانے کی بجائے چین ہی میں آباد ہو گئے تھے اور وہیں شادیاں بھی کر لی تھیں۔

چین میں مسلمانوں کے پہونچنے کے دو دور رہے ہیں اور چینی نیز عرب واقعات نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق پہلا دور آٹھویں صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں ختم ہو جاتا ہے۔

چین میں مسلمانوں کے پہونچنے کا دوسرا دور تیرھویں صدی عیسوی کے وسط میں مغلوں کی فتوحات کے ساتھ ساتھ شروع ہوا تھا چنگیز خان نے اسلامی ریاستوں کو جس طرح تباہ و برباد کیا تھا وہ تاریخ کا ایک المناک ترین حادثہ ہے اور اس کا اندازہ ایک ہی واقعہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ چنگیز خان کے حملہ سے پہلے ہرات کے خوبصورت شہر کی آبادی ایک لاکھ تھی لیکن جب اس شہر کو برباد کر کے واپس گئے تو اس کی بربادی کو دیکھنے کے لئے صرف چالیس آدمی باقی رہے تھے۔

چنگیز خان کی موت کے بعد جب اس کی وسیع سلطنت اس کے چار بیٹوں کے درمیان تقسیم ہوئی تو سلطنت کا مشرقی علاقہ اس کے تیسرے لڑکے اگوتے کے حصہ میں آیا اور اس نے اپنے لئے قاآن کا لقب اختیار کیا اور اس کے بعد قبلی خان نے چین

فتح کرکے اسی علاقہ میں شامل کرلیا۔ رشید الدین نے اپنی کتاب جامع التواریخ میں لکھا ہے کہ "تیمور خان کے دورِ حکومت (۱۳۲۳-۲۶ء) میں اسی قبلی خان کے پوتے آنندر نے جو اس زمانہ میں کانسو کا گورنر تھا اسلام قبول کرلیا تھا اور اُس کی کوششوں سے تنگت کے بہت سے باشندے نیز اس کے ماتحت رہنے والے بہت سے فوجی سپاہی بھی مسلمان ہوگئے تھے۔" اور منتخب التواریخ کے مرتب کا بیان ہے کہ "آنندر نے خان بالغ (موجودہ پیکن) میں چار ایسی مسجدیں تعمیر کرائی تھیں جن میں جمعہ کو دس لاکھ افراد نماز پڑھ سکتے تھے"۔ لیکن بعض اسباب کی بنا پر منتخب التواریخ کے مذکورہ بیان کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل حکمرانوں میں سب سے پہلے برقا خاں نے اسلام قبول کیا تھا اور مورخ جرجانی نے طبقاتِ ناصری میں لکھا ہے کہ "اس نے پہلے اپنے بھائی کو دعوتِ اسلام دی تھی اور بعد میں آپ نے مسلمان ہوجانے کا اعلان کردیا تھا حتیٰ کہ اس کی تمام فوج نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔"

بہرحال جب تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں نے چین پر لشکرکشی کی تو ان کے ساتھ بہت سے عرب ایرانی اور ترک مسلمان بھی چین آئے اور ان میں سے بیشتر نے چین ہی کو اپنا وطن بنالیا حتیٰ کہ آہستہ آہستہ وہ چینیوں ہی میں مدغم ہوگئے۔

مغلوں کے دورِ حکومت میں مسلمان ریاست کے بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز تھے چنانچہ سر ایچ۔ ہورتھ نے "ہسٹری آف مغلز" میں لکھا ہے کہ "۱۲۴۴ء میں عبدالرحمٰن کو شاہی شعبۂ مالیات کا صدر مقرر کیا گیا تھا اور چین کے باشندوں پر ٹیکس مقرر کرنے کا کام بھی اسی کے سپرد تھا۔" اور آر ڈو ایم۔ ایم کے بیان کے مطابق جو چینی یادداشتوں پر مبنی ہے" قبلی خان نے ۱۲۵۹ء میں تخت نشین ہونے کے بعد بخارا کے ایک باشندہ عمر شمس الدین کو جو چین میں سید اجل کے نام سے موسوم تھا پہلے تو شاہی مالیات کے محکمہ کا منتظم مقرر کیا تھا اور جب ین نان فتح ہوگیا تو اسے اس صوبہ کا گورنر بنادیا گیا تھا۔ مارشل بردم ہال نے اپنی کتاب "اسلام ان چائنا" میں لکھا ہے کہ "سید اجل کا انتقال ۱۲۷۹ء میں ہوا تھا اسے ایک روشن خیال اور انصاف پسند منتظم سمجھا جاتا تھا اور اس نے شہر ین نان میں مسجدوں کے ساتھ کنفیوشش کے ماننے والوں کے لئے عبادت گاہیں بھی تعمیر کرائی تھیں۔"

فرانسیسی محقق مشن ڈی اولون نے لکھا ہے کہ "سید اجل کی اولاد نے چین میں اسلام کے قیام کے سلسلہ میں بہت بڑا کام کیا ہے۔ اس کے ایک پوتے نے ۱۳۳۵ء میں شہنشاہ سے اس بات کی تصدیق حاصل کی تھی کہ "اسلام سچا اور پاک مذہب ہے" اور اسی خاندان کے ایک دوسرے فرد نے ۱۴۲۰ء میں شہنشاہ سے دونوں دارالحکومتوں، سن گن فو اور نان کن میں مسجدیں تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کی تھی۔

قبلی خاں مارکوپولو پر بہت زیادہ مہربان تھا اور وہ ۱۲۷۵ء سے ۱۲۹۲ء تک چین ہی میں رہا تھا اس نے اپنے سفرنامہ میں چین کے صوبہ ین نان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی موجودگی کا اعتراف کیا ہے جامع التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ین نان کے دارالحکومت تائی فو کے تمام باشندے مسلمان تھے اور اسی صدی کے وسط میں جب مشہور سیاح ابن بطوطہ نے چین کے ساحلی شہروں کی سیاحت کی تھی تو ہر جگہ مسلمانوں کی طرف سے اس کا استقبال کیا گیا تھا۔ چنانچہ جامع التواریخ کے

مرتب رشید الدین سے ابن بطوطہ کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ "ہر شہر میں مسلمانوں کی رہائش کے لئے علیحدہ جگہ مخصوص ہے۔ ان محلوں میں بھی مساجد موجود ہیں اور چینی، مسلمانوں کی عزت اور احترام کرتے ہیں۔"

چودھویں صدی عیسوی کے اواخر میں مغل سلطنت کا زوال ہوا اور انہیں اس ملک سے واپس آنا پڑا تو ایک جانب تو چین میں مسلمانوں کے آنے جانے کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دوسری طرف چونکہ چین کی حکومت بیرونی دنیا سے بالکل علیحدہ رہنے کی حکمت عملی پر کاربند رہی اس لئے دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے ساتھ چین کے مسلمانوں کا کوئی تعلق بھی باقی نہ رہ سکا۔ لیکن مغلوں کے زوال کے بعد چین میں جب منگ خاندان حکمران ہوا تو اس نے داخلی طور پر مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف اچھا سلوک ہی کیا بلکہ اس خاندان کے حکمرانوں نے اپنی مغربی سرحد کے پار تیموری خاندان کے ساتھ سفارتی تعلقات بھی قائم رکھے۔ چنانچہ اس خاندان کے بانی اونگ وو کے عہد حکومت میں مسلمانوں کو بہت سی مراعات حاصل تھیں اور اسی زمانہ میں بہت سی مسجدیں بھی تعمیر کی گئی تھیں۔

انہیں سفارتی تعلقات کی بدولت ایک مرتبہ جب ایک چینی سفارت ۱۴۱۲ء میں سمرقند میں شاہ رخ بہادر کے دربار میں حاضر ہوئی تو اس کے ذریعے سے شاہ رخ بہادر نے شہنشاہ چین کو دو تبلیغی مکتوب بھجوائے جن میں اسے اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی تھی۔ ان میں سے ایک خط عربی اور دوسرا فارسی زبان میں تھا۔ عبدالرزاق سمرقندی نے "مطلع السعدین" میں ان دونوں خطوط کو نقل کیا ہے اور جرمن محقق زینکر نے لکھا ہے کہ "یہ بات ناقابل قیاس نہیں کہ انہیں خطوط کی بدولت جیسا کہ مشہور ہے چین کے ایک شہنشاہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

ایک دوسرے جرمن محقق شیفر اور خود زینکر نے ایک مسلمان تاجر سید علی اکبر کے حوالہ سے جو پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر اور سولھویں صدی کے آغاز میں پیکن میں مقیم تھا لکھا ہے کہ "چین میں بہت سے مسلمان آباد ہو گئے تھے لیکن یان تو میں مسلمانوں کے تیس ہزار خاندان آباد تھے وہ کسی قسم کا ٹیکس ادا نہیں کرتے تھے انہیں شہنشاہ کی حمایت حاصل تھی اور ان مسلمانوں کو زمین مفت دیتا تھا، انہیں کامل مذہبی آزادی حاصل تھی چینی، مسلمانوں کے مذہب کا احترام کرتے تھے۔ تبدیلی مذہب پر کوئی پابندی نہیں تھی، دارالسلطنت کے دوسرے صوبوں میں مساجد کی مجموعی تعداد ۹۰ تھی اور یہ سب مساجد شاہی خزانہ سے تعمیر کرائی گئی تھیں۔"

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سترھویں صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں مانچو خاندان کے برسر اقتدار آنے تک حکومت اور چینی مسلمانوں کے تعلقات بے حد خوشگوار رہے تھے۔ کانسو کے مسلمانوں نے پہلی بار ۱۶۴۸ء میں حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے گئے اور اس قسم کے واقعات کا سلسلہ انیسویں صدی تک جاری رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں چین کے دوسرے باشندے بھی مسلمانوں کے خلاف تعصب اور تنگ دلی کا مظاہرہ کرنے لگے تھے اور اس قیاس کی تائید شہنشاہ اونگ چین کے اس فرمان سے ہوتی ہے جو اس نے ۱۷۳۱ء میں جاری کیا تھا۔

اس فرمان سے ایک جانب تو سرکاری طور پر چینی مسلمانوں کے طرز عمل کی تصدیق ہوتی ہے اور دوسری طرف اس سے اس وقت کی چینی حکومت یا کم از کم حکمران کی وسعت نظر اور معاملہ فہمی پر بھی روشنی پڑتی ہے اس لئے یہاں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

شہنشاہ اونگ چین کا فرمان یہ ہے کہ "کئی صدیوں سے سلطنت کے ہر صوبہ میں مسلمانوں کی ایک معقول تعداد آباد ہے مسلمان بھی میری کل رعایا کا ایک حصہ ہیں اور میں انہیں بھی دوسروں کی طرح اپنے بچے سمجھتا ہوں۔ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ مجھے بعض افسروں کی طرف سے خفیہ طور پر مسلمانوں کے خلاف یہ شکایات موصول ہوئی تھیں کہ ان کا مذہب چینیوں کے مذہب سے مختلف ہے وہ چینی زبان نہیں بولتے، وہ دوسروں سے مختلف لباس پہنتے ہیں، انہیں، نافرمان، بد دماغ اور باغیانہ رجحانات کا حامل قرار دیا گیا تھا اور ان کے خلاف سخت اقدامات کی درخواست کی گئی تھی۔ ان شکایات اور الزامات کی تحقیقات کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سب بے بنیاد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چینی مسلمان جس مذہب کو مانتے ہیں وہ ان کا آبائی مذہب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی زبان دوسرے چینیوں کی زبان سے مختلف ہے لیکن چین میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ رہا ان کی عبادت گاہوں، لباس اور رسم خط کا معاملہ، بیشک یہ سب بھی چینیوں سے مختلف ہیں لیکن یہ معاملہ بالکل غیر اہم ہے اور یہ باتیں رسم ورواج سے تعلق رکھتی ہیں۔ میری دوسری رعایا کی طرح مسلمان بھی خوش کردار ہوتے ہیں اور اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ وہ بغاوت برپا کرنی چاہتے ہیں۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ انہیں ان کے مذہب پر عمل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اُن کے مذہب کی تعلیم کا مقصد لوگوں کو اخلاقی اعتبار سے اچھی زندگی بسر کرنے کی دعوت دینا اور انہیں سماجی اور شہری زندگی کے فرائض کی ادائیگی پر توجہ دلانا ہی ان کا مذہب حکومت کی بنیاد کا احترام کرتا ہے اور ہم ان سے اس سے زیادہ کیا چاہتے ہیں اگر مسلمان اسی طرح خوش اطوار اور وفادار رہیں گے تو وہ بھی میرے دوسرے بچوں کی طرح میری عنایات کے مورد قرار پائیں گے۔ بہت سے مسلمان بڑے بڑے فوجی اور انتظامی عہدوں پر فائز رہے ہیں اور یہ اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ انہوں نے ہماری عادات اور رسم ورواج کو اپنا لیا ہے اور وہ ہماری مقدس کتابوں کی ہدایتوں پر عمل کرتے ہیں۔ دوسروں کی طرح وہ بھی ادب میں امتحانات پاس کرتے ہیں اور قانون کے مطابق قربانیاں دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ عظیم چینی خاندان کے ایک سچے رکن ہیں اور ہمیشہ اپنے مذہبی، شہری اور سیاسی فرائض کو انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ججوں کے روبرو کوئی مقدمہ پیش ہو تو انہیں فریقین مقدمہ کے مذہب کو مدنظر نہیں رکھنا چاہئے۔ میری رعایا کے لئے صرف ایک ہی قانون ہے۔ جو لوگ اچھے کام کریں گے انہیں ان کا اجر نیک ملے گا اور بدوں کو سزا دی جائے گی۔"

بروم ہال کے بیان کے مطابق تقریباً تیس سال کے بعد اونگ چین کے جانشین شہنشاہ این لنگ نے دو ایسے مسلمان ترک سرداروں کے لئے جنہوں نے سلطنت کے شمالی مغربی علاقوں اور کاشغر میں سلطنت کے باغیوں کی سرکوبی کی تھی، پیکن میں دو عظیم الشان محل بنوا کر ان کی عزت افزائی کی تھی اور اسی حکمران نے ان ترک سرداروں کے لئے جو وقتاً فوقتاً دربار میں حاضر ہوتے رہتے تھے نیز ان مسلمان اسیران جنگ کے لئے جو کاشغر سے لائے گئے تھے پیکن میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر ۶۴-۱۷۶۳ء میں عمل میں آئی تھی۔ اس پر جو کتبہ لگایا گیا تھا وہ چار زبانوں میں تھا اور چینی

زبان کا کتبہ خود شہنشاہ نے لکھا تھا۔

پروفیسر آرنلڈ نے ڈی ویرسان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "۱۷۷۰ء میں زنگاریہ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد اسی شہنشاہ نے چین کے دوسرے حصوں سے وہاں آباد کرنے کے لئے دس ہزار فوجی نوآبادکار بھیجے تھے جن کے ساتھ ان کے اہل وعیال اور دوسرے لوگ بھی زنگاریہ چلے گئے تھے اور ان سب نے گردونواح کے باشندوں کا مذہب (اسلام) قبول کر لیا تھا۔"

اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا کہ چین کے دوسرے صوبوں میں بھی تبدیل مذہب کے ایسے ہی واقعات رونما ہوئے تھے لیکن چین کے ہر حصہ میں مسلمانوں کی موجودگی کے پیش نظر قیاس یہی کہتا ہے کہ یہ کثیر تعداد صرف غیر ملکی مسلمانوں کے چین میں رہائش اختیار کر لینے ہی کا نتیجہ نہیں ہو سکتی، بلکہ چین میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کی موجودگی میں ان کی خاموش تبلیغی کو بھی بہت زیادہ دخل حاصل ہے۔ اور کلارک ایبل نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ "سترھویں صدی عیسوی کے اواخر میں بیشتر چینی یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

چینی مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں پر اس عرضداشت سے بھی روشنی پڑتی ہے جو صوبہ کوانگسی کے گورنر نے ۱۷۸۳ء میں شہنشاہ این لنگ کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ ڈی۔ ویرسان نے اس عرضداشت کو نقل کیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "صوبہ کوانگسی کے ایک باشندہ ہان۔ فو۔ ین کو آوارہ گردی کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے تحقیقات کے دوران میں جب اسکے پیشہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی غرض سے گذشتہ دس سال سے سلطنت کے مختلف حصوں میں گشت کر تا رہا ہے۔ اس کے صندوق میں سے تیئس کتابیں برآمد ہوئی ہیں جن میں سے کچھ اُس نے خود لکھی ہیں اور کچھ ایک ایسی زبان میں ہیں۔ جسے یہاں کوئی نہیں سمجھتا۔ ان کتابوں میں مغرب کے ایک بادشاہ محمد (صلعم) کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے جب ہان۔ فو ین پر زیادہ سختی کی گئی تو اُس نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس کا مقصد اس مذہب کی تبلیغ ہے جس کا ذکر ان کتابوں میں کیا گیا ہے اور یہ کہ وہ صوبہ شین سی میں بہت مُدت تک مقیم رہا ہے۔"

چینی مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کا ایک سبب یہ بھی رہا ہے کہ وہ قحط زدہ چینیوں کے بچوں کو خرید کر انہیں پرورش کر لیا کرتے ہیں۔ پروفیسر ڈوہالڈے نے لکھا ہے کہ "ایک ایسے قحط کے زمانے میں جس نے صوبہ چن ٹانگ کو تباہ کر دیا تھا مسلمانوں نے دس ہزار بچے خرید لیے تھے مسلمان اپنے بچوں کی شادیاں کرتے ہیں اور ان کے لئے یا تو مکانات تعمیر کرا دیتے ہیں یا خرید کر انہیں آباد کر دیتے ہیں۔" جان اینڈرسن نے اپنے ایک مقالہ "چینی مسلمان" میں لکھا ہے کہ "۱۷۹۰ء میں جب صوبہ کوانگ ٹنگ میں تباہ کن قحط پڑا تھا تو مسلمانوں نے دس ہزار بچے خرید لیے تھے اور ان سب کی پرورش مسلمانوں کی طرح کی گئی تھی۔" اور ایک چینی مسلمان سید سلیمان کے بیان کے مطابق جو انہوں نے ۱۸۹۴ء میں قاہرہ میں ایک عربی رسالہ کے نمائندہ کے بعض سوالات کے جواب میں دیا تھا" ان چینی مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو مذکورہ بالا طریقہ سے اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے ہیں۔"

چین کے مختلف صوبوں کے بعض شہروں کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے لیکن دوسرے شہروں میں اُن کے

جداگانہ محلے موجود ہیں اور بروم ہال کا بیان ہے کہ "جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے انہیں ان محلوں میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی"۔ اس کے باوجود وہ دوسرے چینیوں کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں اور انہیں شکایت کا کوئی موقع نہیں دیتے۔ ان کا لباس تمدن بھی عام چینیوں ہی کی طرح ہے حتیٰ کہ چینی مسلمانوں کی مسجدوں کا طرز تعمیر بھی دوسرے فرقوں کی عبادت گاہوں کے طرز تعمیر سے مختلف نہیں۔ بروم ہال کا بیان ہے کہ "ہر مسجد میں شہنشاہ کے لئے دعائیہ جملوں پر مشتمل ایک کتبہ بھی لگا رہتا ہے اور چینی مسلمان جب مسجد میں جاتے ہیں تو قانوناً انہیں سر جھکا کر اس کتبہ کی تعظیم کرنی پڑتی ہے"۔ لیکن اب جبکہ چین میں نہ صرف شہنشاہت ہی کا خاتمہ ہو چکا ہے بلکہ ایک ایسی حکومت بھی قائم ہو چکی ہے جو لوگوں کے مذاہب اور رسم و رواج میں کسی میں شاید تاریخی دستاویزات کے طور پر مذکورہ بالا کتبے تو موجود ہوں گے لیکن اب مسلمان اُن کی تعظیم میں سر نہیں جھکاتے۔

چینی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر چین کے حکمران بھی مسلمانوں کے ساتھ حسن سُلوک روا رکھتے رہے ہیں اور وہاں کے مسلمانوں کو دوسرے باشندوں کی طرح پورے شہری حقوق حاصل رہے ہیں۔ انہیں ریاست کے بڑے سے بڑے منصب پر مامور کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے صوبائی گورنروں، فوجی جرنلوں، مصنفوں اور وزراء ریاست کی فہرستوں میں مسلمانوں کے نام بھی ملتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ پروٹسٹنٹ عیسائی مشنریوں کی طرح چین کے مسلمانوں کو کھلے طور پر اسلام کی تبلیغ کا حق حاصل نہیں رہا لیکن وہ کسی دور میں بھی اسلام کی تبلیغ سے غافل نہیں رہے۔ چنانچہ رسالہ "مشنری ریویو آف دی ورلڈ" کے بیان کے مطابق "صوبہ کانسو کے شہر ہوچاؤ کی اسلامی درس گاہ میں طلبا کو تبلیغ مذہب کے لئے تعلیم اور تربیت دی جاتی تھی" اور مسٹر ڈی اولون نے لکھا ہے کہ "مسلمان فوجی افسر بھی فوجی سپاہیوں کو اسلام کے دائرے میں داخل کرتے رہتے ہیں"۔

۱۸۶۶ء میں ایک روسی صاحب قلم وزیلیف نے چین میں اسلام کے موضوع پر ایک قابل قدر کتاب لکھی تھی جس میں اس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ "اسلام چینی سلطنت کا قومی مذہب بن جائے گا اور اس کی بدولت مشرق کی سیاسی صورت حال قطعاً بدل جائے گی"۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ چین کے مسلمانوں نے کسی دور میں بھی منظم طریقہ پر تبلیغ اسلام کی کوشش نہیں کی اس کے باوجود عیسائی مبلغین ان کی روز افزوں تعداد کو اپنے لئے ہمیشہ خطرہ قرار دیتے رہے اور چونکہ چین میں عیسائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے اور اسی تناسب سے انہیں ریاست اور حکومت میں بھی زیادہ دخل حاصل رہا ہے اور چونکہ وہ مسلمانوں کے خلاف غلط فہمیاں پھیلاتے رہے ہیں اس لئے انیسویں صدی کے تقریباً وسط سے حکومت اور مسلمانوں کے درمیان اتنی زیادہ غلط فہمیاں پیدا ہونے لگی تھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو حکومت کے خلاف صف آرا ہونا پڑا تھا جس کے نتیجہ میں ۱۸۷۳ء سے ۱۸۹۶ء تک مختلف صوبوں میں انہیں قتل عام کا نشانہ بننا پڑا اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ کم ہوگئی۔ حتیٰ کہ اس صدی کی پہلی دھائی تک عام طور پر چینی مسلمان اپنے مذہب کو چھپاتے پر مجبور رہے، لیکن جب ۱۹۱۱ء میں ڈاکٹر سن یت سین کی قیادت میں چین کا پہلا جمہوری انقلاب برپا ہوا اور مانچو خاندان کے زوال کی بدولت چین میں پہلی مرتبہ جمہوری حکومت

کا قیام عمل میں آیا تو مسلمانوں کو بھی مذہبی اور معاشرتی آزادی حاصل ہوئی لیکن چونکہ اوّل تو یہ جمہوری حکومت پورے ملک پر حاوی نہیں تھی اور دوسرے جمہوری حکومت کے قیام کے بعد ملک باہمی اختلافات اور تصادمات کا میدان بن گیا تھا اس لئے مسلمان اپنی اس آزادی سے بہت ہی کم فائدہ اٹھا سکے تھے اور ڈاکٹر سن یت سین کی موت کے بعد چین میں جو حکومت قائم ہوئی تھی وہ عملاً مسلمانوں کی اس آزادی کو برقرار نہیں رکھ سکی تھی اور ایک مرتبہ پھر مسلمان اسی تاریک دور میں واپس جانے پر مجبور ہو گئے جس میں انہیں اپنے مذہب کو چھپانا پڑا تھا۔

چین کے پہلے جمہوری انقلاب سے پورے اڑتیس سال کے بعد اس ملک میں جب دوسرا اور مکمل انقلاب برپا ہوا اور وہاں اکتوبر ۱۹۴۹ء میں عوامی جمہوریہ قائم کی گئی تو مسلمانوں کو ایک بار پھر امن اور آزادی کی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا چنانچہ چین کی موجودہ آئین کی دفعہ ۵ میں چین کے شہریوں کی جن کی آزادی کو تسلیم کیا گیا ہے ان میں مذہب کی آزادی بھی شامل ہے۔ دفعہ ۹ میں چین میں آباد تمام قومیتوں کو ان کے حقوق اور فرائض کی مساوات کا یقین دلایا گیا ہے۔ دفعہ ۵۰ میں چینی قومیتوں کی مساوات کے اعلان کا اعادہ کرتے ہوئے امتیازی سلوک کو ممنوع قرار دینے کی یقین دہانی کی گئی ہے۔ دفعہ ۵۲ میں چین کی تمام قومیتوں کے لئے قومی فوج میں شمولیت کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے اور دفعہ ۵۳ میں انہیں ان کی زبان، رسم الخط، رسم و رواج اور مذہب کو برقرار رکھنے، ترقی دینے اور ان میں اصلاح و ترمیم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور اس بات کا یقین دلایا گیا ہے کہ حکومت انہیں ان کے سیاسی، اقتصادی، تہذیبی، تعلیمی اور تعمیری کاموں میں ہر ممکن امداد دیگی

چین میں عوامی جمہوریہ کے قیام کے بعد سے اب تک سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے وہاں کے مسلمانوں کے متعلق جو معلومات بہم پہونچتی رہی ہیں ان کے پیش نظر پوری احتیاط کے ساتھ رائے قائم کرنے کے بعد بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ چین کے مسلمان اپنے وطن کی آزادی سے پورا اور صحیح فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

چین میں مسلمانوں کے دس قبیلے آباد ہیں اور مسلمانوں کی بیشتر آبادی شمالی مغربی چین کے صوبجات، سنکیانگ، کانسو، چنگھائی اور ننگسیا میں ہے لیکن وہ چین کے دوسرے علاقوں اور شہروں میں بھی بستے ہیں اور چونکہ آئین میں ایسے علاقوں کو جہاں کسی قومی اقلیت کی اکثریت ہو داخلی خود مختاری دینے کی ضمانت موجود ہے اس لئے مسلمانوں کے اکثریت والے علاقوں کو بھی داخلی خود مختاری دی گئی ہے اور جو مسلمان دوسرے علاقوں میں آباد ہیں وہاں انہیں اکثریت کے برابر حقوق دیئے گئے ہیں۔

صوبہ سنکیانگ کی جمہوری حکومت کا صدر اور ایک نائب صدر مسلمان ہے۔ اس صوبہ کی مجلس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ہر درجہ کی سرکاری ملازمتوں پر مامور مسلمانوں کی تعداد ۱۷ ہزار ہے اسی قدر نہیں بلکہ اس صوبہ کی ۸۰ اضلاعی مجالس جن میں سے ۶۷ مجالس کے سربراہ مسلمان ہیں۔

کانسو، چنگھائی اور بعض دوسرے ایسے صوبوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں تو نہیں لیکن کثیر تعداد میں ضرور آباد ہیں صوبائی حکومتوں کا ایک ایک نائب صدر مسلمان ہوتا ہے انہیں ملازمتوں میں لیا جاتا ہے اور ملک کے دوسرے حصّوں میں پھیلے ہوئے

مسلمانوں کو مقامی مجالس میں مناسب حد تک نمائندگی دی جاتی ہے اور خصوصیت کے ساتھ ان کا خیال رکھا جاتا ہے۔
چین کی مرکزی حکومت ۵۶ اراکین پر مشتمل ہے جن میں سے دو مسلمان ہیں اور مرکزی حکومت کے مختلف شعبوں اور محکموں میں بھی بہت سے مسلمان چھوٹے بڑے عہدوں اور کاموں پر مامور ہیں۔ حکومت مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی اور تہذیبی ترقی پر وہ خصوصیت کے ساتھ توجہ کرتی ہے اور اس سلسلہ میں انہیں ہر ممکن مدد دیتی ہے۔
مختصر یہ کہ مشرق کے اس عظیم ملک میں مسلمان ظہور اسلام کے بعد ہی پہونچ گئے تھے اور اس وقت سے اب تک کسی دور میں بھی چین کی سرزمین مسلمانوں کے وجود سے خالی نہیں رہی۔ تقریباً چودہ سو سال کی اس طویل مدت میں انہیں قومی زندگی کے بہت سے نشیب و فراز طے کرنے پڑے اور توقع ہے کہ ماضی کی طرح چینی مسلمانوں کا وجود مستقبل میں بھی اُن کے وطن کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

(برہان)

علمِ تصوّف
مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر
قیمت دو روپے

خلافتِ اسلامیہ
مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر
قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

اسلام کا نظریۂ تاریخ
مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی
قیمت تین روپے

مسئلہ اجتہاد
مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی
قیمت دو روپے آٹھ آنے

مقامِ سُنّت
مصنفہ محمد جعفر شاہ پھلواروی
قیمت دو روپے

اصولِ فقہ اسلامی حدود اللہ و تعزیرات
مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر
قیمت دو روپے آٹھ آنے

تہذیب و تمدن اسلامی
مصنفہ رشید اختر ندوی
قیمت حصہ اوّل پانچ روپے۔ دوم چھ روپے آٹھ۔ سوم پانچ روپے بارہ آنے

قرآن اور علمِ جدید
مصنفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین
قیمت پانچ روپے آٹھ آنے

مینجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور